علم اسناد و جرح کی تاریخ وارتقاء

History and Evolution of the Chain of Narration and Transmission

☆ڈاکٹر مفتی محمد اسماعیل خان

☆☆ڈاکٹر محمد تاج الدین

ABSTRACT

The Quran and Sunnah of the holy Prophet Muammad ﷺ is the core foundation of Islam. It is the greatest favour of Almighty Allah that He Himself takes the responsibility of guarding, protecting and preserving the Quran and Sunnah. Like The Holy Quran, the Hadith (Oral- Tradition) and the Sunnah is also the part of divine Revelation, therefore; it's inevitable that Allah would have taken care of it till the day of judgement.The Sanad (The Chain of narration) is the underpinning of the Sunnah and it is impossible to fully preserve it without the Sanad. Ilm-e- Isnad ensures that no false and fabricated hadiths attributed to the Prophet Muhammad ﷺ therefore,it has an utmost importance and significance.The Application of Sanad has become the part of collective Muslims' theoretical temperament and no act or claim is attributed to the Holy prophet ﷺ without meticulously following the process of Sanad. The process 0f Sanad has later evolved into an outright "Faculty of Knowledge" known as Ilm e Jarah (Chain of transmission.(The objective of Sunnah Studies is to differentiate between the authentic and the inauthentic Narrators. About half a million scholars has done an unprecedented and meticulous work to achieve this objective. This research paper is about the study of " the Chain of Narration and Transmission'. The study highlights the need and the pains taking efforts of the Companions of Prophet Muhammad ﷺ and rest of the religious scholars in compilation and collection of the Hadith and the Sunnah. On such solid grounds we can rightfully vet and analyse the authenticity of the Statement attributed to the Holy prophet Muhammad ﷺ.

Keywords: Hadith, Isnad o Rijal, Protecting, Chain of Narration, Transmission

دین اسلام کی بنیاد قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ پر ہے۔ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا یہ ایک عظیم احسان ہے کہ اس نے ان دونوں بنیادوں کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں تو یہ ارشاد بالکل واضح ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾(۱)

☆ Assistant Professor of Islamic Studies, Govt. College Oghi,Mansehra

☆☆ Senior Research Scholar, FMRi, Minhaj University, Lahore

"ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

جبکہ حضور ﷺ کے ارشادات کو بھی قرآن مجید نے وحی قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى○إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ (۲)

"وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو اتاری جاتی ہے"

چونکہ سنت اور حدیث بھی وحی کی ایک قسم ہے اس لئے یہ بھی قرآن مجید کے ساتھ ساتھ محفوظ ہے۔ سنت کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ سند ہے اور اس کے بغیر حدیث کی حفاظت ناممکن ہے۔، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول ہے:

"الإسناد عندي من الدين، ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء"(۳)

"میرے نزدیک سند دین کا حصہ ہے اور اگر سند نہ ہوتی تو جو شخص جو کچھ چاہتا کہہ ڈالتا"

اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے، اسناد کے عمل کو لازم قرار دیا گیا، اور یہ بات مسلمانوں کے علمی مزاج کا حصہ بن گئی کہ جو بات کہی جائے وہ پوری سند کے ساتھ کہی جائے۔ امام حاکم نیشاپوری، عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر اسناد نہ ہوتیں اور محدثین اس کو طلب نہ فرماتے تو اسلام کی علامتیں مٹ جاتیں اور جھوٹی احادیث گھڑ لی جاتیں اور اہل بدعت غالب آجاتے، کیونکہ اگر حدیث کو اسناد سے بے نیاز کر دیا جائے تو وہ بالکل بے بنیاد رہ جائیں گی۔ (۴)

رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو پوری صحت کے ساتھ منتقل کرنا ہو تو اس کے لئے صحیح سند کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ سند کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ وہ روایت ثقہ اور عادل راویوں کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہو۔ اسی مقصد کے لئے ائمہ حدیث نے حدیث کو ہر قسم کے نقائص سے پاک رکھنے کی پوری سعی کی، صحیح احادیث کے مجموعے مرتب کئے اور ہر وہ چیز جو ہمارے دین کے لئے ضروری ہے، اسے سند کے ذریعے سے منتقل کرنے کا التزام کیا۔

سند کے علم کو مزید ترقی دینے کے لئے علم رجال کا فن وجود میں آیا۔ رجال سے متعلق دو پہلو زیر بحث آتے ہیں۔ ایک پہلو تو رجال کے بارے میں معلومات، ان کے حالات زندگی، حصول علم اور طلب حدیث کے بارے میں

---

(۱) سورۃ الحجر، ۹/۱۵

(۲) سورۃ النجم، ۵۳/۳ - ۴

(۳) مسلم، مسلم بن الحجاج، (۲۰۰۳ء)، الصحیح، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ۱/۱۵

(۴) حاکم، محمد بن عبد اللہ النیشابوری، (۱۹۷۷ء)، معرفۃ علوم الحدیث، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ ص:۶

معلومات اور ان رجال کی شخصیت اور کردار کے بارے میں تفصیلات سے متعلق ہے۔ اس پہلو سے متعلق علم کو علم الرجال یا اسماء الرجال کہتے ہیں۔ جبکہ دوسرا پہلو کسی راوی حدیث کے قابل قبول یا ناقابل قبول ہونے کا فیصلہ، اس کے اصول و قواعد اور ان اصول و قواعد کی روشنی میں کسی راوی کے قابل قبول یا ناقابل قبول ہونے کا حتمی فیصلہ جس فن کی روشنی میں کیا جاتا ہے، اس فن کو علم جرح و تعدیل کہتے ہیں۔

ان علوم کا مقصد یہ ہے کہ ثقہ اور ضعیف راویوں کے درمیان امتیاز ہو سکے، چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے اتنی کوشش اور تحقیق کی گئی جس کی نظیر ہمیں اسلام کے علاوہ دیگر اَدیان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے ایک مشہور مغربی مستشرق ڈاکٹر سپرنگر کا قول نقل کیا ہے:

"دنیا کی کوئی قوم اس باب میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی کہ رجال جیسا فن ان کے ہاں ہو، نہ ماضی میں کسی قوم کا اس طرح فن ہوا اور نہ مستقبل میں اس کا کوئی امکان ہے کہ رجال جیسا فن، جیسا کہ مسلمانوں میں ہے، کسی اور قوم میں وجود میں آئے۔ یہ ایسا علم ہے کہ پانچ لاکھ شخصیات کا تذکرہ ہمارے سامنے آجاتا ہے اور ان پانچ چھ لاکھ شخصیات کی بنیاد پر ہم تیقن کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور ﷺ کے بارے میں جو بیان دیا ہے، اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے"[1]

اسناد اس امت کی وہ خصوصیت ہے جو اس سے پہلے کسی امت کو نصیب نہ ہو سکی۔ حافظ ابو علی جیانی فرماتے ہیں کہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے تین خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو اس سے پہلے کسی کو عطا نہیں فرمائی ہیں۔

۱-اسناد ۲-انساب ۳-اعراب

دیگر ادیان میں سند کا تصور نہیں، چنانچہ اگر ہم توراۃ اور انجیل کو دیکھیں تو ہمیں بہت سے لوگوں کے لکھے ہوئے نسخے ملتے ہیں، ان میں باہم اختلاف بھی ہوتا ہے لیکن اس اختلاف کی بنیاد سند پر نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان اقوام کے علوم کی استنادی حیثیت کے بارے میں شکوک و شبہات باقی رہتے ہیں۔ اس کے برخلاف ہر حدیث کے لئے سند ضروری ہے، چاہے وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو، اور پھر اس سند کی علماء کرام نے تحقیق کی ہے اور حقیقت حال کو واضح کیا ہے، بلکہ ہمارے ہاں تو سند، حدیث کا حصہ ہے اور سند کے بغیر حدیث کو قبول نہیں کیا جاتا۔

---

(۱) غازی، محمود احمد، محاضرات حدیث، ص:۱۹۸

سند اور اسناد کی تعریف

لغت میں اسناد ''اَسْنَدَ'' کا مصدر ہے اور اس سے مراد اونچی زمین، پہاڑ یا بلندی پر چڑھنا ہے۔ اسی طرح سند لغت میں معتمد کو بھی کہتے ہیں کیونکہ متن کا سہارا اور اعتماد سند پر ہوتا ہے۔[۱] اصطلاحی طور پر کسی قول کو اس کے قائل تک پہنچانا اسناد کہلاتا ہے، اسی طرح متن تک پہنچنے کے ذریعے کو بھی اسناد کہتے ہیں، اسی طرح سند سے مراد راویوں کا وہ سلسلہ ہے جو حدیث کے ابتدائی راوی یا جامع سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تک پہنچتا ہے۔ محدثین کے ہاں سند اور اسناد ایک ہی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[۲]

متن کی تعریف

متن لغت میں سخت اور اونچی زمین کو کہتے ہیں جبکہ محدثین کی اصطلاح میں اس سے مراد کلام کا وہ حصہ ہے جہاں سند ختم ہو جاتی ہے[۳]۔ ذیل کی سطور میں ایک مثال کے ذریعے سے سند اور متن کی وضاحت کی جاتی ہے۔

"حدثنا محمد بن عبيد الغبري حدثنا أبو عوانة عن أبي حصين عن أبي صالح عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار"[۴]

اس حدیث میں پہلا جزء جو راویوں پر مشتمل ہے، سند کہلاتا ہے۔ جبکہ دوسرا جزء جس کو خط کشیدہ کیا گیا ہے اور جس میں حکم بیان کیا گیا ہے، متن کہلاتا ہے۔

قرآنِ مجید میں اسناد کی اہمیت

قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کی رو سے یہ بات ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جو بات منسوب کی جائے وہ ہر اعتبار سے قطعی اور یقینی ہو، تاکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو پورے اطمینان اور شرح صدر کے ساتھ یہ بات معلوم ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے کن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور کن چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ ذیل کی سطور میں اس اصول کے بارے میں قرآن مجید کی آیات پیش کی جاتی ہیں:

---

(۱) زبیدی، محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی، (س۔ن)، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الہدایہ، بیروت۔ ص:۲۱۵-۲۱۶

(۲) حموی، ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم بدر الدین، (س۔ن)، المنہل الروی فی مختصر علوم النبوی، دار الفکر، دمشق۔ ص:۳۰

(۳) ۱۔ ایضاً: ص:۳۰

۲۔ زبیدی، تاج العروس، ۳۶/۱۴۶-۱۴۶

(۴) مسلم، مسلم بن الحجاج، (۲۰۰۳ء)، الصحیح، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ۱/۱۰، رقم:۳

(۱) – ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾[۱]

"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق (غیر ذمہ دار شخص) خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ۔"

یہ آیت اگرچہ براہ راست حدیث سے متعلق نہیں ہے لیکن اس سے یہ اصول نکلتا ہے کہ ہر خبر کی تحقیق کرنی چاہئے۔ جب دنیاوی معاملات میں تحقیق کی اتنی اہمیت ہے تو حضور ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کے بارے میں خبر دینا تو بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے اس بات کی تحقیق کرنا اور اس بات کو یقینی بنانا کہ یہ حضور ﷺ کی حدیث ہے، انتہائی ضروری ہے۔

(۲) – ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ﴾[۲]

"اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کو آزما کر دیکھو۔"

یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب مکہ مکرمہ سے بڑی تعداد میں خواتین نے ہجرت کرکے مدینہ آنا شروع کیا اور ہر عورت نے یہ کہا کہ چونکہ اس نے اسلام قبول کیا ہے، اسے مدینہ میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر عورت کے دعویٰ کو قبول کیا جائے یا اس کی تصدیق و تحقیق کی جائے۔ حالانکہ یہ معاملہ ایک اعتبار سے بڑا اہم بھی تھا، کیونکہ جو عورت اسلام قبول کر چکی ہے اور اس نے حضور ﷺ کو دیکھا بھی ہے تو وہ صحابیہ ہو گئی۔ اس کے باوجود بھی "فامتحنوھن" کا حکم دیا جا رہا ہے[۳]۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کا دعویٰ ہو کہ وہ صحابیِ رسول ﷺ ہے تو اس دعویٰ کی تحقیق کر لینی چاہئے۔

(۳) – ﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾[۴]

"اور اپنے میں سے دو منصف افراد کو گواہ بنالو۔"

---

(۱) سورۃ الحجرات، ۴۹/۶

(۲) سورۃ الممتحنہ، ۶۰/۱۰

(۳) پانی پتی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، (س-ن)، تفسیر مظہری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ۔ ۹/۲۶۴

(۴) سورۃ الطلاق، ۶۵/۲

شہادت اور روایت میں کئی وجوہ سے فرق پایا جاتا ہے لیکن کئی اعتبار سے ان میں مماثلت ہے۔ اس لئے جس طرح گواہ کے لئے قابل اعتماد اور عادل ہونا ضروری ہے، اسی طرح راوی کے لئے بھی بنیادی وصف عدالت ہے۔ مذکورہ آیت س جہاں گواہ کے لئے عادل ہونا ضروری ہے۔ وہاں اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ راوی بھی عادل ہو۔

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات کریمہ سے اسناد کی تحقیق کا اصول ملتا ہے۔

اَحادیث کی روشنی میں سند کی اہمیت:

جب ہم حضور ﷺ کی احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ سے ہر بات کو آگے منتقل کرنے سے پہلے خوب تحقیق کا حکم دیا ہے۔ ذیل کی سطور میں اس نوعیت کی چند احادیث بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) - "عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع"[۱]

"کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جو بات سنے اسے آگے بیان کر دے"۔

اس حدیث میں ہمیں واضح طور پر حکم ملتا ہے کہ جب کوئی بات سنو تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، اگر سچی ثابت ہو جائے تو آگے بیان کرو، ورنہ سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے آگے بیان نہ کرو۔ جب عام باتوں میں تحقیق کا حکم دیا جا رہا ہے تو روایت حدیث تو بہت ہی اہمیت کی حامل ہے، اس لئے اس میں تو تحقیق کرنا لازمی ہے۔

(۲) - "عن بن عباس عن النبي ﷺ قال اتقوا الحديث عني إلا ما علمتم فمن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار ومن قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار"[۲]

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے حدیث بیان کرنے میں پرہیز کرو مگر ایسی حدیث جن کا تم علم رکھتے ہو، اس لئے کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔"

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ صرف وہ احادیث آگے روایت کرنی چاہئیں جن کے بارے میں یقینی طور پر علم ہو کہ یہ حدیث حضور ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ اور حقیقت تک رسائی بغیر تحقیق کے ناممکن ہے۔ اس لئے حضور ﷺ کی احادیث کی تحقیق ضروری ہے۔

---

(۱) مسلم، مسلم بن الحجاج، (۲۰۰۳ء)، الصحیح، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ۱/ ۱۰، رقم:۵

(۲) ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی، (دون السنۃ)، السنن، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ ۵/ ۱۹۹، رقم:۲۹۵۱

(۳) - "عن فاطمة بنت قيس رضي الله عنها قالت: فلما حللت ذكرت له أن معاوية بن أبي سفيان وأبا جهم خطباني فقال رسول الله ﷺ أما أبو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه، وأما معاوية فصعلوك لا مال له أنكحي أسامة بن زيد"(۱)

"حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب میں اپنی عدت سے فارغ ہوئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابو جہم رضی اللہ عنہم نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو جہم تو اپنی لاٹھی اپنے کندھے سے نہیں ہٹاتے اور معاویہ فقیر آدمی ہے، اس کے پاس مال نہیں ہے۔ اسامہ بن زید سے نکاح کر لو۔"

اس حدیث میں ایک عورت کی خیر خواہی کی بناء پر دو صحابیوں کے عیب ان کی عدم موجودگی میں بیان کیے گئے ہیں کیونکہ اس سے مقصود ایک عورت بلکہ ایک خاندان کی خیر خواہی ہے۔ جب اس کو غیبت قرار نہیں دیا جا سکتا تو دین کے تحفظ کے لئے راویوں کی تحقیق کرنا اور ان پر جرح وقدح کرنا بھی امت مسلمہ کی خیر خواہی شمار ہو گی۔

(۴) - "عن أبي هريرة يقول قال رسول الله ﷺ يكون في آخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم فإياكم وإياهم لا يضلونكم ولا يفتنوكم"(۲)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخری زمانے میں ایسے جھوٹے دجال پیدا ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی روایات لائیں گے جن کو نہ تم نے سنا، نہ تمہارے باپ دادوں نے، تم ان سے دور رہو، وہ تم کو گمراہی اور فتنہ میں ڈالنے نہ پائیں۔"

(۵) - "عن المغيرة بن شعبة سمعتُ رسول الله ﷺ يقول: يكون في آخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم فإياكم وإياهم لا يضلونكم ولا يفتنوكم"(۳)

---

(۱) مسلم، مسلم بن الحجاج، (۲۰۰۳ء)، الصحیح، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ۲/۱۱۱۴، رقم: ۱۴۸۰

(۲) مسلم، الصحیح، ۱/۱۲، رقم: ۷

(۳) مسلم، الصحیح، ۱/۱۰، رقم: ۴

"حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ پر جھوٹ باندھنا ایسا نہیں جس طرح کہ تم ایک دوسرے پر جھوٹ باندھتے ہو، اس لئے کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے"۔

مذکورہ بالا تمام روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کی احادیث قبول کرنے اور بیان کرنے میں احتیاط کا دامن ہر وقت تھامنا ضروری ہے۔ اسی طرح احادیث رسول ﷺ کی پہچان کے سلسلے میں سند کی اہمیت بھی واضح ہوگئی کہ راوی کے صادق وکاذب ہونے کی پہچان سند کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسناد وجرح

سند کی تحقیق اور اس بارے میں سوال وجواب عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شروع ہو گیا تھا۔ ابتداء میں تو صرف اتنی تحقیق کی جاتی تھی کہ صحابی رسول ﷺ جو روایت بیان کر رہے ہیں وہ ان کو صحیح طور پر یاد بھی ہے یا نہیں۔ جہاں انہیں سو فیصد یقین ہوتا تھا کہ صحابی رسول ﷺ جو بات بیان فرمارہے ہیں وہ اپنے قطعی یقین اور مشاہدہ کی بنیاد پر بیان کر رہے ہیں اور اس میں بھول چوک کا امکان نہیں، وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تحقیق وتصدیق کے عمل کو نظر انداز کرتے تھے۔

تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سند اور راویوں کے بارے میں تحقیق کا سلسلہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ نے شروع کیا۔ حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سوا دو سال خلیفہ رہے اور ظاہر ہے کہ ان کے سامنے جو لوگ احادیث بیان کرتے تھے وہ سارے کے سارے صحابہ تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے تصدیق و تحقیق کی روش اس لئے اپنائی کہ لوگ یہ ذہن نشین کرلیں کہ کوئی چیز حضور ﷺ کی طرف غلط منسوب نہ ہو۔ اس سلسلے میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس میں ایک عورت آئی اور کہا کہ مجھے پوتے کی میراث سے حصہ دلوادیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ مجھے قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں تمہارا حصہ معلوم نہیں، آپ اب چلی جائیں، میں اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معلوم کروں گا۔ اس کے بعد لوگوں سے پوچھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ حضور ﷺ نے دادی کو سدس دیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے علاوہ کوئی اور بھی ہے جو اس واقعہ کا گواہ ہو؟ اس پر ایک صحابی رسول ﷺ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ میں اس کا گواہ ہوں۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو چھٹا حصہ دیا[1]۔

---

(1) ابوداود، سلیمان بن اشعث السجستانی، (س۔ن)، السنن، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ۳/۱۲۱، رقم: ۲۸۹۴

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابی رسول ﷺ کی حدیث کو فوراً قبول نہیں کیا بلکہ مزید سند اور گواہ کے بعد حدیث کو قبول فرمایا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق ؓ سے بھی سند کی تصدیق و تحقیق ثابت ہے۔ ان کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ آپ ؓ سے ملنے گئے۔ وہاں جا کر جب دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے کسی نے جواب نہیں دیا، جب دوسری دفعہ کھٹکھٹایا تو بھی کوئی جواب نہیں ملا، جب تیسری مرتبہ دروازہ کھٹکھٹایا اور کوئی جواب نہ ملا، تو وہ واپس ہوئے۔ حضرت عمر ؓ نے ان کے پیچھے کسی کو بھیجا اور انہیں بلایا اور پوچھا کہ آپ گھر میں کیوں داخل نہیں ہوئے؟ تو حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اجازت لینا تین دفعہ ہے۔ اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ واپس ہو جاؤ۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس اس حدیث پر کوئی دوسرا گواہ ہے؟ اگر تم نے گواہ نہ پیش کیا تو تمہیں سزا دوں گا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ ایک مجلس میں پہنچے جہاں انصار بیٹھے ہوئے تھے، انہیں یہ واقعہ سنایا۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری ؓ آپ کے ساتھ گواہی کے لئے چلے گئے اور حضرت عمر ؓ کے سامنے گواہی پیش کی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے شکایت کی کہ میں احادیث کے معاملہ میں بہت امانت دار ہوں اور میں پوری ذمہ داری سے بات کر رہا تھا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھیے، میں نے آپ پر کوئی الزام نہیں لگایا، میں آپ پر کوئی تہمت نہیں لگا رہا کہ خدانخواستہ آپ غلط بیانی کر رہے ہیں، لیکن مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ لوگوں کو بار بار احادیث بیان کرتے دیکھ کر اور ہمیں آسانی سے قبول کرتے دیکھ کر لوگوں میں یہ جرأت پیدا نہ ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو چاہیں ہر وقت بیان کر دیں[1]۔

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم راوی کے بارے میں تحقیق کرتے تھے اور اس سلسلے میں جو بھی احتیاطی تدابیر اختیار کی جا سکتی تھیں وہ اختیار فرماتے تھے۔ اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ رجال کے بارے میں تفتیش اور روایت میں تحقیق کی ابتداء حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے کی۔ احادیث کی جانچ کے سلسلے میں ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سختی کرنے کی وجہ یہی تھی کہ بعد میں آنے والے حدیث کے سلسلے میں جھوٹ نہ بولیں، ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات اس طرح کے شبہات سے بالاتر تھی[2]۔

یہ سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے تک جاری رہا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے زیادہ کسی اہتمام کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس لیے کہ روایت کرنے والے سب صحابی رسول ﷺ تھے، صحابہ کرام رضی

---

(۱) مالک بن انس، (س۔ن)، الموطأ، دار احیاء التراث العربي، بیروت. ۲/ ۹۶۴، رقم: ۱۷۳۱

(۲) ابن حبان، محمد بن حبان، (س۔ن)، المجروحین من المحدثین، دار الوعي، حلب. ۱/ ۳۸

اللہ عنہم ایک دوسرے کو جانتے تھے، اس لیے وہاں اس شبہ کی گنجائش نہیں تھی کہ روایت کرنے والا صحابی ہے یا نہیں، کیونکہ غیر صحابی تو صحابی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے سوائے اس کے کہ حلفیہ بیان لیا جائے یا کسی دوسرے صحابی کی گواہی شامل کر لی جائے، کسی اور چیز کی ضرورت نہیں تھی۔

دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اسناد و جرح

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دنیا سے چلے جانے کے بعد تابعین کا دور شروع ہوا۔ یہ لوگ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تربیت یافتہ تھے اور تقویٰ و طہارت اور اخلاق و کردار کے بلند معیار پر فائز تھے، لیکن اس کے باوجود ہر عام تابعی کا معیار اس درجے کا نہیں تھا جس طرح کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خاص تربیت یافتہ تابعین کا تھا۔ پھر حافظہ وضبط اور بات سمجھنے میں بھی سب کا معیار ایک جیسا نہیں تھا۔ اس لیے اس بات کا امکان پیدا ہوا کہ تابعین میں سے کوئی بزرگ کسی حدیث کو اس کے سیاق وسباق میں نہ سمجھ سکے اور بات کو اصل مفہوم اور پس منظر سے ہٹ کر کسی اور مفہوم میں بیان کر دے، چنانچہ اس مقصد کے لئے اسناد کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی۔

اسی طرح جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو مختلف فرقے اور گروہ وجود میں آ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دروغ بیانی کا آغاز ہوا۔ صحابہ و تابعین نے وضع حدیث کے ان رجحانات کا اہتمام کے ساتھ سد باب کیا۔ حدیث کے راویوں سے سند طلب کرنے میں سختی اختیار کی اور صحیح حدیث کے لئے سند کو لازم و ملزوم ٹھہرایا۔ چنانچہ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لم يكونوا يسألون عن الإسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم فينظر إلى أهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم"(۱)

"لوگ سند کے بارے میں نہیں پوچھا کرتے تھے مگر جب فتنہ ظاہر ہوا تو انہوں نے روایت کرنے والوں سے کہا: ان لوگوں کا نام ہمیں بتاؤ جن لوگوں سے تم نے حدیث سنی ہے۔ اسی طرح سے جو سنت کا حامل ہوتا اس کی حدیث لے لی جاتی اور جو بدعتی ہوتا اس کی حدیث چھوڑ دی جاتی"۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے مجاہد رحمہ اللہ کے حوالہ سے ایک اور واقعہ نقل فرمایا ہے کہ بشیر بن کعب عدوی، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث بیان کرنا شروع کی اور بار بار قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے لگے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی بات کو کوئی خاص توجہ نہ دی۔ بشیر بن کعب عدوی کہنے لگا، میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور آپ اعراض کر رہے ہیں۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو سمجھاتے

---

(۱) مسلم، الصحیح، ۱/۱۵

ہوئے فرمایا کہ ہم پر ایک زمانہ یوں گزرا ہے کہ جب کوئی شخص یہ کہتا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو ہماری نگاہیں فوراً بے ساختہ ہو جاتی تھیں اور اپنے کانوں کو اسی طرف جھکا دیتے تھے۔ مگر اس وقت آپ ﷺ کی طرف حدیثوں کو گھڑ کر جھوٹ بولنے والوں کا رواج نہیں تھا۔ مگر اب لوگوں میں جھوٹ اور سچ کی تمیز جاتی رہی ہے، تو ہم اس شخص سے حدیث قبول کرتے ہیں جس کو ہم جانتے ہوں[1]۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ امام شعبی رحمہ اللہ سے ربیع نے کہا کہ جو شخص "لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شيء قدير" دس بار کہے گا، اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔ امام شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ربیع سے پوچھا کہ آپ کو یہ حدیث کس نے بیان کی؟ کہنے لگے، عمرو بن میمون ازدی نے، میں عمرو بن میمون ازدی سے ملا، ان سے پوچھا کہ یہ حدیث آپ کو کس نے بیان کی ہے؟ انہوں نے کہا عبد الرحمن بن ابی لیلی نے، میں ابن ابی لیلیٰ سے ملا اور پوچھا کہ یہ حدیث آپ کو کس نے بیان کی ہے؟ انہوں نے کہا کہ صحابی رسول ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے[2]۔

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ فرماتے کہ امام عامر الشعبی رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسناد کے بارے میں تحقیق و جستجو کی باقاعدہ بنیاد ڈالی۔[3]

سند کے بارے میں تحقیق کا یہ سلسلہ کبار تابعین کے دور میں جاری رہا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد جب کبار تابعین کا دور بھی ختم ہوا اور احادیث کے سلسلے میں بے احتیاطی شروع ہونے لگی، تو اسناد نے ضرورت کی شکل اختیار کی اور جو شخص یہ چاہتا کہ اس کی روایت قبول ہو وہ سند ضرور بیان کرتا[4]۔

صغار تابعین کے دور میں سند ذکر نہ کرنا ناقابل معافی جسارت قرار دیا گیا۔ عتبہ بن حکیم فرماتے ہیں:

میں اسحاق بن ابی فروہ کے پاس تھا، وہاں ابن شہاب زہری بھی موجود تھے۔ ابن ابی فردہ نے بغیر سند حدیث بیان کی، زہری نے کہا کہ ابن ابی فروہ! اللہ تجھے برباد کرے، تو دین کے بارے میں کتنا جری ہو گیا ہے کہ اپنی حدیث کی سند ہی بیان نہیں کرتا[5]

---

(۱) مسلم، الصحیح، ۱/۱۲

(۲) ابن عبد البر، ابو عمر و یوسف بن عبد اللہ، (س۔ن)، التمهيد لمافی الموطا من المعانی والاسانید، وزارت عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ، المغرب۔ ۱/۵۵

(۳) اکرم بن ضیاء العمری، (س۔ن)، بحوث فی تاریخ السنۃ المشرفۃ، بساط، بیروت۔ ص ۵۰

(۴) ایضا: ص: ۵۰

(۵) ابو سلمان سراج الاسلام حنیف، (۲۰۰۷ء)، معرفۃ علوم الحدیث، دار القرآن والسنۃ، شہباز گڑھی، مردان۔ ص ۱۱

اس کے بعد سند کا مطالبہ کیا جانے لگا کیونکہ اسناد کے بغیر رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی تصدیق اور تحقیق اس کے بغیر مشکل تھی، چنانچہ عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نے فرمایا:

"الإسناد من الدين، ولولا الإسناد، لقال من شاء ما شاء"[1]

"اسناد دین کا حصہ ہے، اگر اسناد کا عمل نہ ہوتا تو دین کے بارے میں جس کا جی جو چاہتا کہہ دیا کرتا"۔

اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے، اسناد کے عمل کو لازم قرار دیا گیا، اور یہ بات مسلمانوں کے علمی مزاج کا حصہ بن گئی کہ جو علمی بات کسی کے سامنے کہی جائے وہ پوری سند کے ساتھ کہی جائے۔ سند کا یہ تصور صرف اور صرف مسلمانوں کی روایت میں پایا جاتا ہے۔ کسی اور قوم کی مذہبی یا غیر مذہبی روایت میں سند کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

چونکہ اب سند کو دین کا حصہ قرار دیا گیا تو راویوں کا کردار اور شخصیت زیر بحث آنا شروع ہوا اور یوں علم رجال کی بنیاد پڑی، چنانچہ تابعین میں سے حسن بصری اور محمد بن سیرین رحمہم اللہ نے علم رجال کے کام کا آغاز کیا۔ اس ضمن میں تو پہلا کام یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں معلومات اکٹھی کی جائیں اور ان کے حالات جمع کیے جائیں تاکہ صحابی اور غیر صحابی کا پتہ چل سکے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جیسے جیسے زمانہ بڑھتا گیا، علماء حدیث، رجال پر معلومات جمع کرتے رہے اور اس طرح پانچویں صدی تک رجال کی معلومات مکمل طور پر جمع ہو گئیں۔ یوں پانچ چھ لاکھ شخصیات کا تذکرہ ہمارے سامنے آگیا، اور ان شخصیات کی بنیاد پر ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور ﷺ کے بارے میں جو بیان دیا ہے اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے۔

علم رجال کی امہات الکتب:

جب علم الرجال وجود میں آیا تو اہل علم نے اس پر متنوع انداز میں کتابیں تالیف فرمائیں۔ بعض حضرات نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سوانح کو موضوع بنایا جو معرفۃ الصحابہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ بعض نے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے حالات جمع کیے جو طبقات کے نام سے معروف ہیں، اور بعض حضرات نے راویان حدیث کی توثیق و تجریح کو موضوع بنایا اور علم جرح و تعدیل کی کتابیں وجود میں آگئیں۔ ذیل کی سطور میں پہلے معرفۃ الصحابہ کے متعلق اہم کتابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد علم رجال اور جرح و تعدیل کے متعلق چند کتابوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔

---

(۱)مسلم، الصحیح، ۱/ ۱۴

معرفۃ الصحابہ کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ان میں سب سے قدیم کتاب علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کی "الاستیعاب فی معرفة الأصحاب" ہے۔ جو آج بھی دستیاب ہے۔ اس کتاب میں تقریباً ساڑھے سات ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ہے۔ اس موضوع پر اس کے بعد علامہ ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ نے ایک کتاب تحریر فرمائی جس کا نام "أسد الغابة في معرفة الصحابة" ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرے کے متعلق ایک کتاب علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی تحریر فرمائی ہے۔ اس کا نام "الإصابة في تمييز الصحابة" ہے اور اس میں بارہ ہزار صحابہ کرام ﷺ کا تذکرہ ہے۔ اس سلسلے کی ایک اور کتاب علامہ ابن سعد رحمہ اللہ کی "طبقات ابن سعد" ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے زمانے تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت جتنے بھی راویان حدیث تھے، ان سب کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

یہ تمام کتابیں آج کل ہر جگہ دستیاب ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں براہ راست معلومات کا مستند ترین، جامع اور بہترین ذخیرہ ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کا پورا نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

اسی طرح علم رجال پر بھی بہت کام ہو چکا ہے اور محدثین کرام نے اس فن کو غیر معمولی توجہ دی ہے اور راویوں کے احوال پر بڑی بڑی کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔ ان کتب میں سے بعض کتابیں تو انتہائی جامع انداز میں لکھی گئی ہیں اور ان میں ضعیف و ثقہ ہر طرح کے راویوں پر بحث کی گئی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض محدثین نے صرف ضعیف راویوں پر اور بعض نے صرف ثقہ راویوں پر قلم اٹھاتے ہوئے تفصیلی بحث کی ہے۔ ذیل میں ان کتب میں سے چند اہم کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور ان کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

جرح و تعدیل پر لکھی جانے والی کتب کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

(الف) ضعیف راویوں پر لکھی جانے والی کتب

(ب) ثقہ راویوں پر لکھی جانے والی کتب

(ج) ضعیف و ثقہ ہر دو قسم کے راویوں پر مشتمل کتب

(الف) ضعیف و ثقہ راویوں پر مشتمل کتب

محدثین کرام نے ثقہ اور ضعیف راویوں کے بارے میں کثرت سے کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ ان میں سے بعض اہم اور مطبوعہ کتب درج ذیل ہیں:

۱ - التاریخ الکبیر

یہ کتاب امام ابو عبداللہ محمد بن ابوالحسن بن ابراہیم بن المغیرۃ البخاری متوفی ۲۵۶ھ کی تالیف ہے[1]۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کتاب کے حوالے سے خود ذکر فرمایا ہے کہ میں اپنے بھائی اور والدہ کے ہمراہ حج کے سفر پر گیا۔ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد بھائی اور والدہ تو واپس آگئے لیکن میں علم حدیث کے حصول کے سلسلے میں وہاں رہ گیا۔جب میری عمر اٹھارہ سال ہوئی تو میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے مسائل و احکام آپ ﷺ کے روضہ مبارک کے قریب لکھنا شروع کیے[2]۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کتاب میں ۱۳۷۸۲ راویوں کے تراجم جمع کیے ہیں۔ اگرچہ بہت سے راویوں کا تذکرہ اس کتاب میں موجود نہیں، لیکن اس کے باوجود بھی یہ اس سلسلے کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کتاب کے علاوہ راویوں کے متعلق "التاریخ الاوسط" اور "التاریخ الصغیر" بھی تالیف کی ہیں۔ یہ دونوں کتب بھی ضعفاء اور ثقات راویوں سے متعلق ہیں۔

۲ - الجرح والتعدیل

یہ کتاب امام ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم محمد بن ادریس بن المنذر بن داؤد بن مہران التیمی الرازی متوفی ۳۲۷ھ کی تالیف ہے[3]۔ مؤلف ابن ابی حاتم کے نام سے مشہور ہیں۔ جرح و تعدیل کے فن میں ان کی یہ کتاب انتہائی جامع ترین ہے۔ اس کتاب کی ابتداء میں انہوں نے ایک مفید اور طویل مقدمہ "تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل" کے نام سے تحریر کیا ہے جس میں سند کی اہمیت، راویوں کے مراتب اور طبقات، صحابہ کرام، تابعین اور اتباع تابعین کا تعارف اور نقاد اہل علم کے حالات زندگی اور چار طبقات میں ان کی تقسیم فرمائی ہے۔

۳ - الکمال فی اسماء الرجال

یہ کتاب امام عبدالغنی بن عبدالواحد بن علی بن سرور المقدسی الدمشقی ابو محمد تقی الدین متوفی ۶۰۰ھ کی تالیف ہے۔ اس کتاب میں فاضل مؤلف نے صحیحین اور سنن اربعہ کے راویوں کے حالات جمع کیے ہیں۔ کتاب کو انہوں نے دو

---

(1) ذہبی، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد (۲۰۰۶ء)، دار الحدیث، قاہرہ۔ ۱۲/ ۳۱۹

(2) ۱۔ ایضا: ۱۲/ ۴۰۰

۲۔ خطیب بغدادی، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت (س۔ن)، تاریخ بغداد، دار الغرب الاسلامی، بیروت۔ ۲/ ۷

(3) ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۳/ ۲۶۳

حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا ہے اور دوسرے حصہ کی ابتداء تابعین سے کی ہے اور اس کے بعد دیگر راویوں کا تذکرہ کیا ہے۔

۴ - تہذیب الکمال فی اسماء الرجال

یہ کتاب امام یوسف بن عبد الرحمن بن یوسف ابو الحجاج جمال الدین ابن الزکی ابی محمد القضاعی الکلبی المزی متوفی ۷۴۲ھ کی تالیف ہے۔ حافظ مزی نے جب "الکمال" کا مطالعہ کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ اس کتاب میں راویوں کے اسماء میں بہت نقص اور وہم پائے جاتے ہیں، چنانچہ ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ انہی معلومات کی بنیاد پر ایک ایسی کتاب مرتب کرنی چاہیے جو مذکورہ نقائص سے پاک ہو۔ چنانچہ انہوں نے "تہذیب الکمال" تحریر فرمائی۔

۵ - التذکرۃ بمعرفۃ رجال الکتب العشرۃ

یہ کتاب امام شمس الدین ابو المحاسن محمد بن علی بن الحسن بن حمزہ الدمشقی متوفی ۷۶۵ھ کی تالیف ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا سبب مؤلف نے کتاب کے مقدمہ میں خود تحریر کیا ہے کہ حافظ المقدسی کی الکمال بہت طویل تھی، چنانچہ میں نے اس کی تلخیص کی۔ میں نے اس کتاب میں صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتابوں کے راویوں کو حذف کیا۔ البتہ ائمہ اربعہ کے اقوال و اسانید کی اہمیت کے پیش نظر ان کے رجال کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے[1]۔

۶ - تہذیب التہذیب

یہ کتاب امام ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی تالیف ہے۔ یہ کتاب کتب ستہ کے مؤلفین کے احوال و حالات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی انہوں نے خود ہی تلخیص کی ہے اور اس کا نام "تقریب التہذیب" رکھا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے کوشش کی ہے کہ راوی کے حالات مختصراً دو تین جملوں میں آ جائیں۔ جرح و تعدیل کی کتب کے سلسلے میں حافظ ابن حجر کی یہ دونوں کتابیں نہایت ہی اہم کاوش ہیں۔

(ب) ثقہ راویوں کے بارے میں تصانیف

محدثین کرام نے جس طرح ثقہ اور ضعیف راویوں پر مشتمل کتب تحریر فرمائی ہیں، اسی طرح صرف ثقہ راویوں کے بارے میں بھی کتب تحریر کی ہیں۔ ذیل کی سطور میں اس سلسلے کی چند اہم کتابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

(۱) مقدمۃ التذکرۃ بمعرفۃ رجال الکتب العشرۃ: ج:۱، ص:۴۔

۱ - کتاب الثقات

یہ کتاب امام ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی متوفی ۲۶۱ھ کی تالیف ہے۔ حافظ نورالدین ھیثمی کی ترتیب سے یہ کتاب مکمل طور پر موجود ہے۔ حافظ عجلی کو متساہل نقاد میں شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ علامہ البانی نے اس کا ذکر کیا ہے[۱]۔

۲ - کتاب الثقات

یہ کتاب امام محمد بن احمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۴ھ کی تالیف ہے۔ ابن حبان نے یہ کتاب طبقات پر مرتب کی ہے۔ انہوں نے ثقہ راویوں کے بارے میں ایک دوسری کتاب "مشاھیر علماء الامصار" کے نام سے بھی تحریر کی ہے۔

۳ - کتاب الثقات

یہ کتاب امام ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی المعروف بابن شاھین متوفی ۳۸۵ھ کی تالیف ہے۔ ان کی تالیف ثقات کے بارے میں اہم کتاب شمار ہوتی ہے۔ انہوں نے راوی کے حالات انتہائی مختصر انداز میں بیان فرمائے ہیں۔ ان کی کتاب میں تراجم کی تعداد ۱۶۶۰ ہے۔

(ج) ضعیف راویوں پر لکھی جانے والی کتب

محدثین کرام رحمہم اللہ نے جس طرح ثقہ رایوں کے بارے میں کتابیں تالیف فرمائیں، اسی طرح ایسی کتب بھی تالیف کیں جو صرف ضعیف راویوں کے متعلق ہیں۔ ذیل کی سطور میں اس سلسلے کی چند کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱ - معرفۃ المجروحین من المحدثین

یہ کتاب امام محمد بن حبان بن احمد ابی حاتم التمیمی البستی متوفی ۳۵۴ھ کی تالیف ہے۔ ضعیف راویوں کے بارے میں یہ ایک اہم کتاب ہے۔ کتاب کی ابتداء میں انہوں نے ایک مفصل مقدمہ تحریر فرمایا ہے جس میں ضعیف راویوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی اہمیت، احادیث رسول ﷺ قبول کرنے میں احتیاط کی ضرورت اور جرح کے جواز وغیرہ کے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ ابن حبان کا شمار متشدد نقاد میں ہوتا ہے اور ان کے اقوال میں شدت پائی جاتی ہے[۲]۔

---

(۱) ابوعبدالرحمن محمد ناصرالدین، (س۔ن)، سلسلہ الاحادیث الصحیحہ وشیئ من فقہہا وفوائدہا، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، ریاض۔ ۲/۲۱۹

(۲) ابن حجر عسقلانی، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد، (۱۳۲۶ھ)، تہذیب التہذیب، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، ہند۔ ۳/۳۶۱

۲-الکامل فی ضعفاء الرجال

یہ کتاب امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی بن عبد اللہ بن محمد بن مبارک بن القطان الجرجانی متوفی ۳۶۵ھ کی تالیف ہے۔ ان کی یہ کتاب ضعیف راویوں کے بارے میں ایک جامع کتاب ہے اور اس کی سات مطبوعہ جلدوں میں ۲۲۰۶ راویوں کے حالات جمع کیے گئے ہیں۔ اس فن میں ان کی اس کتاب کا شمار نہایت اہم اور مشہور کتب میں ہوتا ہے۔

۳-میزان الاعتدال فی نقد الرجال

یہ کتاب امام امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان الذھبی متوفی ۷۴۸ھ کی تالیف ہے۔ ضعفاء کے متعلق لکھی جانے والی کتب میں یہ اہم ترین کتاب ہے۔ انہوں نے اس سلسلے کی تمام کتب سے استفادہ کرتے ہوئے ۱۱۰۵۳ رجال کے تراجم جمع کر دیئے ہیں۔

۴-لسان المیزان

یہ کتاب ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی تالیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی میزان الاعتدال کو بنیاد بنا کر اس کتاب کی تالیف کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کتاب میں صحاح ستہ کے راویوں کو حذف کر دیا ہے کیونکہ ان راویوں کا تذکرہ انہوں نے اپنی کتاب "تھذیب الکمال" میں کیا ہے، جبکہ بعض جگہ انہوں نے کچھ ایسے تراجم کا اضافہ کیا ہے جو علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب میں موجود نہیں ہیں۔ بہر حال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ کتاب اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔

نتائج بحث

اسناد ایسا علم ہے جس کے ذریعے پانچ لاکھ شخصیات کا تذکرہ ہمارے سامنے آجاتا ہے اور ان لاکھوں شخصیات کے تعارف کی بنیاد پر ہم تیقن کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور ﷺ کے بارے میں جو بیان دیا ہے، اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟ دنیا کی کوئی قوم اس باب میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی، یہ درست ہے کہ اسماء الرجال جیسا فن نہ ماضی میں کسی قوم کا ہوا اور نہ مستقبل میں اس کا کوئی امکان ہے کہ اس جیسا فن کسی اور قوم میں وجود میں آئے۔

☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع

۱. ابو داود، سلیمان بن اشعث السجستانی، (س.ن)، السنن، دار الفکر، بیروت، لبنان
۲. اکرم بن ضیاء العمری، (س۔ن)، بحوث فی تاریخ السنۃ المشرفۃ، بساط، بیروت
۳. پانی پتی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، (س.ن)، تفسیر مظہری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
۴. ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، (دون السنۃ)، السنن، دار اِحیاء التراث العربی، بیروت
۵. ابن حجر عسقلانی، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد، (۱۳۲۶ھ)، تہذیب التہذیب، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، ہند
۶. خطیب بغدادی، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت (س۔ن)، تاریخ بغداد، دار الغرب الاسلامی، بیروت
۷. ذہبی، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد (۲۰۰۶ء)، دار الحدیث، قاہرہ
۸. زبیدی، محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی، ()، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الہدایہ، بیروت
۹. ابن حبان، محمد بن حبان، (س.ن)، المجروحین من المحدثین، دار الوعی، حلب
۱۰. حاکم، محمد بن عبد اللہ النیشابوری، (۱۹۷۷ء)، معرفۃ علوم الحدیث، دار الکتب العلمیہ، بیروت
۱۱. حموی، ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم بدر الدین، (س۔ن)، المنہل الروی فی مختصر علوم النبوی، دار الفکر، دمشق
۱۲. ابو سلمان سراج الاسلام حنیف، (۲۰۰۷ء)، معرفۃ علوم الحدیث، دار القرآن والسنۃ، شہباز گڑھی، مردان
۱۳. ابو عبد الرحمن محمد ناصر الدین، (س۔ن)، سلسلہ الاحادیث الصحیحہ وشیئ من فقہہا وفوائدہا، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، ریاض
۱۴. ابن عبد البر، ابو عمر ویوسف بن عبد اللہ، (س۔ن)، التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید، وزارت عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ، المغرب
۱۵. مالک بن انس، (س.ن)، الموطأ، دار احیاء التراث العربي، بیروت
۱۶. مسلم، مسلم بن الحجاج، (۲۰۰۳ء)، الصحیح، دار الفکر، بیروت، لبنان